خَيْرُ الْخُلَاصِ فِي تَفْسِيرِ
سُورَةُ الْإِخْلَاصِ

تصنیفِ لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

Visit Uwaysi Books
www.faizahmedowaisi.com

ابتدائیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ، وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ وَأَوْلِیَاءِ أُمَّتِہٖ أَجْمَعِینَ.

اَمّا بعد! فقیر اویسی غفرلہ نے "تفسیر روحُ البیَان" کے ترجمہ "فُیوضُ الرَّحمن" سے فراغت (تکمیل) کے بعد تفسیر اویسی "اَنوارُ الرَّحمن فی آیاتِ القُرآن" کا آغاز کر دیا، بحمدہ تعالیٰ اس کا مواد بھی تفسیر فُیوض الرَّحمن ترجمہ روحُ البیَان سے ضخیم ہو گیا، پھر اس کی طباعت چونکہ میرے بس سے باہر ہے، اسی لئے اسے مختلف عنوانات سے مختلف رسائل میں دینا شروع کر دیا۔ سورۃ الاِخلاص کی تفسیر "خَیرُ الخَلاص" کے نام سے ماہنامہ سُلطانُ العارفین، گھکڑ منڈی، (ضلع گجرانوالہ) سے قسط وار شائع ہوئی۔ اسے کتابی صورت میں کر کے مزید اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فقیر اور ناشر کے لئے زادِ راہِ آخرت اور قارئین کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے۔

وَمَا تَوْفِیقِیْ إِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیمِ، وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیبِہِ الْکَرِیمِ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول۔پور پاکستان

مکّیہ یا مَدنیہ

عبدُاللہ اور حَسَن اور عِکرِمہ اور عَطاء اور مجاہِد و قتادہ رحمہم اللہُ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سُورۃ مدنیہ ہے۔ ابنِ عبّاس رضی اللہُ عنہما اور محمد بن کعب اور ابُو العالیہ اور ضحّاک فرماتے ہیں کہ یہ مکّیہ (مکہ میں نازل ہونے والی) ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہِ علیہ نے اِن دونوں قولوں پر دو متعارِض (آپس میں ٹکرانے والی) رِوایات بھی نقل فرمائیں ہیں، اِن کی مطابقت یوں دی جاسکتی ہے کہ یہ سُورۃ دو بار نازل ہوئی ہے۔ لیکن راجح (قوی) بات یہ ہے کہ یہ سُورۃ مدنیہ ہے۔ اس کے مزید قواعد فقیر کے "مقدّمۃ القُرآن" میں دیکھیں۔

ربط: سُورۃ "تَبَّتْ یَدَآ" (اللھب: 1) کے فَواصل (آیات کے آخری الفاظ)، خصوصاً مقطع یعنی "فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ" (اللھب: 5) کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے یہاں بیان ہوئی۔ بعض کہتے ہیں اس کا تعلق "قُلْ یَا أَیُّھَا الْکَافِرُونَ" (الکافرون: 1) سے ہے کہ جس طرح اس میں نفی واثبات ہے، اسی طرح اُس میں اثبات و نفی ہے، اس لئے اِن دونوں کو بہت سی نمازوں میں ملا کر پڑھا گیا، مثلاً فجر کی دو سنتیں، طواف کا دوگانہ، نیز مغرب کی سنتیں، مسافر کی نماز فرض فجر، جمعہ کی رات مغرب کے فرض وغیرہ۔ باقی اِن دونوں کے مابین دو سورتیں کیوں آئیں، اس کی نفیس توجیہ فقیر کے رسالہ "اَحْسَنُ الصُّوَر فی روابطِ الآیاتِ والسُّوَر" میں دیکھیں۔

آياتُها: ۴ (۱۱۲)، سُورةُ الإخلاص مَكِّيَه (۲۲)، رُكوعُها: ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ○ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ○ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُولَدۡ ○ وَلَمۡ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌ (سورۃ الإخلاص، آیات ۱—۴)

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحم والا۔ تم فرماؤ وہ اللہ ہے، وہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اُس کے جوڑ کا کوئی۔

تفسیرِ عالمانہ

صاحِبِ رُوحُ البَیان رحمۃ اللہِ علیہ نے فرمایا کہ سُورۃ الإخلاص مکّیہ ہے یا مدنیہ، اس کی تحقیق (تحقیقی بحث) آتی ہے۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے، وہ ایک ہے) ضمیر شان کی ہے، جیسے هُوَ زَيۡدٌ مُنۡطَلِقٌ (نحوی مثال)۔ اس کا مرفوع (رفع والی حالت میں) ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی خبر جملہ خبریہ ہے۔ اس میں عائد (ضمیرِ رابط) کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہی جملہ عین ضمیرِ شان کا ہے، کیونکہ معنی ہے: اللّٰهُ أَحَدٌ، اس کی شان یہ ہے یا وہ یہ کہ بیشک اللہ ایک ہے۔

فائدہ: اسے اوّل لانے میں تنبیہ (توجہ دلانا) ہے مضمون کی فخامت (عظمت) کی وجہ سے، علاوہ ازیں إبہام (اجمال) کے بعد تفسیر مزید تقریر ہے، یا ضمیر اس کے لئے ہے جس سے سوال کیا گیا ہے، یعنی جس کے متعلق تمہارا سوال ہے، وہ اللہ ایک ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ سے مشرکین پوچھتے کہ آپ کے رب کا وصف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سُورۃ نازل فرمائی۔

فَقَدْ أَخْرَجَ الإِمَامُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ وَالْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْبَغَوِيُّ فِي مُعْجَمِهِ وَابْنُ عَاصِمٍ فِي السُّنَّةِ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ وَغَيْرُهُمْ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ- (روحُ المعانی)[1]

مَعالِمُ التَّنزیل میں ہے کہ عامر بن طُفَیل اور اَربد بن رَبیعہ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمیں کس رب کی طرف بلاتے ہیں، اس کی علامت تو بیان فرمائیں، کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا، لوہے کا ہے یا بجلی کا (برقی شے)؟ اس وقت یہ سُورہ نازل ہوئی، بعد ازاں اربد تو ایک کڑک (آسمانی گرج) سے مارا گیا اور عامر طاعون سے ہلاک ہوا۔[2]

فائدہ: اس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ کسب (حاصل کرنے) سے منزّہ (پاک) ہے، اس لئے اس سے والدین کی نفی فرمائی اور مولودیّت (پیدا ہونے) اور کفاؤت (ہم سری) کی۔ اس وقت ضمیر مبتدا ہے اور "اللّٰه" (لفظ اللہ) اس کی خبر ہے، "أَحَدٌ" اس سے بدل ہے۔ خالص نکرہ کو معرفہ بدل بنانا جائز ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو، جیسا کہ ابو علی (نحوی امام) کا مذہب ہے، اور وہی مختار ہے۔ "اللّٰه" علم (اسمِ علم) ہے، الٰہ حق پر ایسی دلالت کرتا ہے جو جمیع اسماءِ حُسنیٰ کے معانی کا جامع (سب کو سمیٹنے والا) ہے۔

---

[1] (كتاب تفسير الألوسي روح المعاني، سورة الإخلاص: 1إلى 4 ، 15/ 508، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1415 هـ – 1994 م)

ترجمہ: اس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں، امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے، امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی معجم میں، ابن عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے السُّنّۃ میں، اور امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، نیز دیگر محدثین نے بھی۔ یہ روایت حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (نوری)

[2] (كتاب تفسير الألوسي روح المعاني، سورة الإخلاص: 1إلى 4 ، 15/ 508، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1415 هـ – 1994 م)

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے (صوفیاء کرام کے) نزدیک ذاتِ الٰہیہ من حیث ھی ھی کا اسم ہے، یعنی وہ ذاتِ مطلقہ (ہر قید سے منزہ) جس پر اول میں مع جمیعہا یا بعضہا کوئی ایک صادق آئے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے، وہ ایک ہے)۔[3]

اسمائے سورہ ھذا

کثرتِ اسماء (ناموں کی زیادتی) سے کثرتِ فضائل (فضیلتوں کی کثرت) پر دلالت ہوتی ہے۔ چونکہ اس کے فضائل بے حد وعد ہیں بناء بریں (اسی بناپر) اس کے اسماء بھی بہت ہیں۔ منجملہ ان کے درج ذیل ہیں:

(۱) **الإخلاص**: چونکہ اس میں خالص توحید (یکتائی) کا بیان ہے، اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔

(۲) **الأساس**: چونکہ تمام اصولِ اسلام اور دین کی بنیاد توحید ہے اور اساس بمعنی بنیاد ہے، اسی لیے اس نام سے نامزد ہوئی۔

(۳) **المقشقشة**: بمعنی بیمار کو تندرست کر دینا، اور چونکہ اس کی بدولت کفر و شرک سے برأت (نجات) حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کا یہی نام ہوا۔

(۴) قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ (۵) التوحيد (۶) التفريد (۷) التجريد (۸) النجاة (۹) الولاية

(۱۰) **المعرفة**: چونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا عرفان (پہچان) نصیب ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نماز میں یہی سورت پڑھی تو حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے جس نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔[4]

(۱۱) **الجمال**: حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: " إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ. "[5] یعنی اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا جمال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. ۔

(۱۲) **النسبة**: حدیث شریف میں ہے: "لِكُلِّ شَيْءٍ نِسْبَةٌ، وَنِسْبَةُ اللهِ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، اللهُ الصَّمَدُ." یعنی ہر شے کی نسبت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ○ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ہے۔

(۱۳) ٱلصَّمَدُ

(۱۴) **المعوّذة**: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر رکھ کر فرمایا کہ میں نہ سمجھا کہ کیا کہوں، پھر فرمایا: قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۔ میں نے کہا۔ جب فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. ۔ جب فارغ

---

[3] (روح البيان، الإخلاص، 10/ 536، دار الفكر ـ بيروت)

[4] (الجامع لشعب الإيمان، التاسع عشر من شعب الإيمان وهو، باب في " تعظيم القرآن، فصل في فضائل السور والآيات، ذكر سورة قل يا أيها الكافرون، 4/ 134، الحديث2294، مكتبة الرشد،سنة النشر: 1423هـ/ 2003م)

(صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب النوافل، ذكر إثبات الإيمان لمن قرأ سورة الإخلاص في ركعتي الفجر، 6/ 214، الحديث2460، مؤسسة الرسالة، سنة النشر: 1414هـ/ 1993م)

[5] (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه1/ 93، الحديث91، دار إحياء الكتب العربية)

ہواتوآپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. ۔جب میں فارغ ہواتوآپ ﷺ نے فرمایا: ایسے ہی پناہ طلب کیا کرو،اوراس جیسی پناہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔[6] (أخرجه النسائي والبزار وابن مردويه بسند صحيح)(روح المعاني)

(۱۵)المانعة: حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ معراج شریف پر تشریف لے گئے تواللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو سورۂ اخلاص عنایت فرمائی ہے اور یہ میرے عرش کے خزینوں کے ذخائر سے ہے،اور یہ مانعہ ہے؛ قبر کی تکالیف اور دوزخ کی آگ سے بچاتی ہے۔ (وَالظَّاهِرُ عَدَمُ صِحَّةِ هٰذَا الْخَبَرِ.)

(۱۶)المُحضِرة: کیونکہ جب یہ پڑھی جاتی ہے تو سننے کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(۱۷)المنفِّرة: کیونکہ اسے جب پڑھا جاتا ہے تو شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔

(۱۸)البراءة: حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت دائیں جانب سوئے اور یہ سورت ۱۰۰ بار پڑھے تواللہ تعالیٰ اس کی برات دوزخ سے لکھ دے گا۔(ترمذی)

(۱۹)مذكِّرة: کیونکہ یہ سورت توحید یاد دلاتی ہے۔

(۲۰)النور: حدیث شریف میں ہے:" إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ نُورًا، وَنُورُ الْقُرْآنِ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. "یعنی ہر شے کا نور ہوتا ہے اور قرآن کا نور" قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. "ہے۔

(۲۱)الإيمان: کیونکہ اس میں توحید ہے اور توحید کے بغیر ایمان ناقص ہے۔[7]

اس کی باقی تحقیق فقیر کے رسالہ "أحسن السور في أسماء السور" میں دیکھئے۔

(قل) فرمایئے محبوب ﷺ۔

حلِّ لُغات

قُل: قَل قول سے مشتق ہے،لغت میں کئی وجوہ(مناسب اسباب/معنی) سے مستعمل ہوتا ہے:

(۱)منہ سے بولی ہوئی بات،مفرد ہو جیسے "زید" اور "خرج" وغیرہ،یا مرکب ہو جیسے "هَلْ خَرَجَ عَمْرٌو؟"، وغیرہ۔

(۲)وہ بات جو ابھی دل میں متصوّر(سوچی ہوئی) ہے،بولنے تک نوبت نہیں پہنچی،قَالَ تَعَالَى: وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلا يُعَذِّبُنَا اللهُ"۔

(۳)اعتقاد(یقین) جیسے کہا جاتا ہے کہ " فُلَانٌ يَقُولُ بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ. "۔

---

[6] (كتاب تفسير الألوسي روح المعاني، سورة الإخلاص ، 15/ 536، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1415 هـ – 1994 م)

[7] ان تمام اسماء اور بیان کی گئی احادیثِ مبارکہ تفسیرِ آلوسی میں موجود ہیں۔حوالہ درج ذیل ہے۔

(تفسير الألوسي روح المعاني، سورة الإخلاص ، 15/ 503إلى 504، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1415 هـ – 1994 م)

(۴)کسی شے پر دلالت(اشارہ) کرنا، شاعر کہتا ہے: "امْتَلَأَ الْحَوْضُ وَقَالَ قُطْنِيْ".۔

(۵)کسی شے کا چاہا ارادہ کرنا، جیسے کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ يَقُولُ بِكَذَا. "۔

(۶)حد(محدودیت) کے معنی میں صرف منطقیوں کی اصطلاح میں، جیسے کہتے ہیں: "قَوْلُ الْجَوْهَرِ كَذَا، وَقَوْلُ الْعَرَضِ كَذَا، أَيْ: حَدُّهُمَا."۔

(۷)الہام(وحی): "كَمَا قَالَ تَعَالَى شَأْنُهُ: قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا.[الأنبياء/ ٦٩] "۔[8](مفردات)

تفسیر عالمانہ

هُو: یہ ضمیر شان کی ہے، جس کی تحقیق فقیر کی کتاب "نعم الحامی شرح شرح جامی" میں دیکھیں۔

اللہ: معبودِ حقیقی کا اسمِ علم ہے۔مزید تجزیہ فقیر نے رسالہ "ہدیۃ الطلبۃ في الصیغ المشکّلۃ" میں کر دیا ہے۔

اَحد: احد دو قسم ہے: (۱) نفی کے لیے، اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔(۲) وہ جو اثبات ہے تین قسم ہے: عشرات کے ساتھ مل کر آئے، جیسے کہا جاتا ہے: " أَحَدَ عَشَرَ اور أَحَدٌ وَعِشْرِينَ" وغیرہ۔(۳) مضاف یا مضاف الیہ ہو کر مستعمل ہو، پہلے کی مثال: "أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا" [یوسف/ ٤١] ،اور دوسرے کی مثال: " يَوْمُ الأَحَدِ، أَيْ: يَوْمُ الأَوَّلِ، وَيَوْمُ الِاثْنَيْنِ."۔[9]

صوفیانہ تفسیر

حضرت ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ " هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ." کے تین الفاظ ہیں، ہر ایک میں سائرین الی اللہ(اللہ کی طرف جانے والے) کے مقام کی طرف اشارہ ہے:

مقام اول: مقربین، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماهياتُ الاشياء(چیزوں کی ماہیت) اور ان کے حقائق کو من حیث حیث(اپنی حقیقت سے) دیکھا۔اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں مانا۔کیونکہ حق وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے۔اس کا ماسوا کا نا ممکن ہے، اور ممکن وہ ہے کہ جب اسے من حیث من حیث دیکھا جائے تو وہ معدوم ہو جائے۔اسی لیے ان حضرات نے ماسوا الحق کے کسی کو موجود نہیں مانا۔اور کلمہ هو اگرچہ اشارہ مطلقہ کے لیے ہے، تعین المراد (مراد کی تعیین) میں مُفتقِرہ(محتاج) ہے، صرف سبقت ذکر یا احد الوجوہ کی، یا اس کے بعد کوئی شے آئے جو اس کی تفسیر کرے، لیکن اس کا اشارہ حق کی طرف کرتے ہیں۔اس اشارہ میں کسی کی طرف محتاج نہیں ہوتے، مگر کوئی ایسی شے موجود ہو تو اس کی مراد کو غیر سے ممتاز کر دے۔کیونکہ ممیّزِ کی محتاجی اس وقت ہے جب ابہام واقع ہو جائے، بایں طور کہ متعدد ہو جائیں وہ اشیاء جن میں اشارہ کی صلاحیت ہو۔اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مقربین اپنے عُقول کی عُیون (آنکھوں) سے، سوائے واحد کے، کسی اور شے کا مشاہدہ نہیں کرتے۔اس لیے حُصول العرفان التام(کامل معرفت) کے لیے مقربین کو یہی هو کافی ہے۔[10]

---

[8]) (المفردات في غريب القرآن ، كتاب القاف، قول ،ص688، دار القلم، الدار الشامية – دمشق بيروت، الطبعة: الأولى – 1412 هـ)

[9]) (المفردات في غريب القرآن ، كتاب الألف، الأحد، ص67، دار القلم، الدار الشامية – دمشق بيروت، الطبعة: الأولى – 1412 هـ)

[10]) (روح البيان، الإخلاص:2 ، 10/ 537، دار الفكر ـ بيروت)

مقام اصحاب الیمین: یہ مقامِ اول سے مرتبہ میں کم ہے، اس لیے کہ وہ حق کو موجود کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں اور خلق کو بھی موجود پاتے ہیں۔ اس معنی پر موجودات میں کثرت حاصل ہوئی، اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اشارہ میں حق کی طرف لفظ ھو کافی نہیں ہوتا، بلکہ ان کے لیے کوئی اور شے ضرور ہو جو حق کو خلق سے متمیز (جدا) کرے۔ ایسے لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ لفظ ھو کے ساتھ اللہ مقترن ہو، ان کے لیے فرمایا: ھو اللہ، اس لیے کہ لفظ اللہ اسم ہے موجود کے لیے، جس کا ماسوا محتاج ہے، اور وہ تمام ماسوا سے مستغنی ہے۔ اسی لیے اس کی ذات کو لفظ اللہ سے متمیز کیا جاتا ہے۔ (11)

مقام اصحاب الشمال: یہ مقام تمام مقامات سے خسیس (بد) ترین ہے۔ وہ قائل ہیں کہ واجب الوجود ایک نہیں بلکہ بکثرت ہیں۔ ان کے لیے لفظ اَحد ملایا گیا پہلے اسماء کے ساتھ، ان کے رد و ابطال کے لیے کہا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ (12)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام کا عقیدہ صحیح ہے، وہ فرماتے ہیں اس کا ذکر صرف لفظ ھو سے ہو، اس لیے کہ ان کو وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کا مشاہدہ ہی نہیں۔ اللہ ان کے نزدیک اپنی ہُویّتِ مطلقہ سار یہ (مطلقہ اور کامل ذات) سے متعین ہے، اس کے لیے تعیین (معین کرنا) کی ضرورت ہی نہیں، اور ضمیر ھو صرف اسی کی طرف راجع ہے، جیسے " اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ " (القدر:1) کی ضمیر "ہ" قرآن کی طرف راجع ہے، اس کے تعین اور حُضُورُہُ فِي الذِّهْنِ. (موجودگی اور ذہن میں اعتراف) کی وجہ سے تعیین کی ضرورت نہیں۔ اس سے طعن کرنے والوں کا اعتراض مُندَفِع (دور) ہو گیا کہ ممیز ھو کا کوئی مرجع متعین نہیں، تو پھر ان صوفیہ کرام کے نزدیک صرف ذکر اللہ کیسے مردود ہے؟ (ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ ھو کا مرجع خود متعین ہے، اسے متعین کرنے کی ضرورت نہیں)۔ علاوہ ازیں، ضمائر بھی اسماء ہیں اور تمام اسماء ذکر ہیں۔ ان کے مظہریت (ظاہری) اور مُضمریّت (مضمر/باطنی) میں کوئی فرق نہیں۔ (13)

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھو پر الف ولام کا دُخول صوفیہ کرام کے نزدیک جائز ہے، اور یہ صرف صوفیہ کی اصطلاح میں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ اشارہ (ھو) ہُویّہ کی طرف ہے، اور اصطلاح (صوفیہ) میں کسی کو مُناقشہ (جھگڑا) نہیں۔

ازالہ وھم: صوفیہ کی اصطلاحات علیحدہ ہیں، وہ ہم ظاہر بینوں کو غلط فہمی میں ڈال دیتے ہیں۔ بالخصوص آج کل کے جاہل دیوبندی، وہابی اور ان کے دیگر ہمنوا فرقے، ان اصطلاحات کی آڑ میں ہم اہل سنت کو کافر و مشرک بناتے پھرتے ہیں، حالانکہ دیوبندی فرقہ کے اکابر کی تصریحات موجود ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی صوفی ہیں اور صوفیہ کرام کی اصطلاحات پر ایمان رکھتے ہیں، یہاں تک کہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح تک کو صحیح مانتے ہیں۔ بلکہ اس اصطلاح کی حقانیت پر اکابر دیوبند کی تصنیفات بھی موجود ہیں، لیکن ان کے جاہلوں کو کون سمجھائے؟

صوفیہ کا قل: قل عین الجمع (حقیقتِ جمع، یعنی کثرت کا وحدت میں جمع ہونا) سے امر ہے، وارد ہے مظہر التفصیل (وہ مقام جہاں حقائق تفصیل کے ساتھ ظاہر ہوں) پر۔ اس میں اشارہ ہے: " شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ " (آل عمران:18) کے سرّ (باطنی حقیقت) کی طرف۔ گویا وہ کہتا ہے: "میں نے گواہی

---

11) (روح البیان، الإخلاص:2، 10/ 537، دار الفکر۔بیروت)

12) (روح البیان، الإخلاص:2، 10/ 537، دار الفکر۔بیروت)

13) (روح البیان، الإخلاص:2، 10/ 537، دار الفکر۔بیروت)

دی وَحْدَةُ الْهُوِيَّةِ(اللہ کی وحدتِ ذات) کی مَقَامُ الْجَمْعِ میں، تو تم بھی گواہی دو اسی وَحْدَةُ مَقَامِ الفَرْقِ(کثرت کے ظہور کے مقام) میں، تاکہ الأَحَدِيَّةُ وَاللَّا أَحَدِيَّةُ. (وحدت اور اس کے ظہور کے مراتب) کا راز ظاہر ہو، اور ان کے مابین جمعاً و تفصیلاً (اجمال اور تفصیل) کا تطابُق (مطابقت) حاصل ہو۔"[14] (روح البیان)

الله الصمد (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے) صمد: فعل بمعنی مفعول (ایسا لفظ جس کا معنی مفعول کے طور پر لیا جائے) ہے، جیسے قبض بمعنی مقبوض، صَمَد اليه از باب نَصر سے ہے بمعنی قصدہ (اس نے ارادہ کیا)۔ الصمد بمعنی "هُوَ السَّيِّدُ الْمُصْمُودُ إِلَيْهِ فِي الحَوَائِجِ. الخ" (وہ آقا جس کی طرف حاجات کے وقت رجوع کیا جائے) اور وہ خود بذاتہ مستغنی (اپنی ذات میں کامل بے نیاز) ہے، اور ماسوا تمام جملہ جہات سے اس کے محتاج ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور صمد نہیں، یہ ایسے ہے جیسے ہم مثال میں کہہ سکتے ہیں: "زَيْدُ الأَمِيرِ" یہ قصر الجِنْسُ عَلَى زَيْدٍ. (کسی صفت کو خاص ایک فرد تک محدود کرنا) کا فائدہ دیتا ہے۔ جب وہ ایسا صمد ہے، تو جس سے صمدیت (بے نیازی اور مرجعِ حاجات ہونا) کی نفی ہو گی، تو لازماً صرف وہی ذات الوہیت کی مستحق ہو گی۔ اس کا معرفہ (متعین و معلوم) ہونا اس لیے ہے کہ لوگ اس کی صمدیت کو جانتے ہیں، بخلاف اس کی احدیت (وحدتِ مطلقہ) کے کہ اسے بہت کم جانتے ہیں، اور اسم جلیل (اللہ) کا تکرار اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذات اس صفت سے موصوف ہے وہ استحقاقِ الوہیت سے علیحدہ کیسے ہو سکتی ہے، جس کا ابھی اشارہ گزرا ہے۔[15]

فائدہ: صمدیت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے اس اعتبار سے ہے کہ ہم وجود و کمالات میں اسی کی طرف منسوب ہیں، اور کمالات وجود کے تابع ہیں، ورنہ وہ اپنی ذاتی احدیت (کامل وحدت) کے اعتبار سے اس صفت سے بھی مستغنی ہے۔ خلاصہ یہ کہ صمدیت اللہ تعالیٰ میں اعتبارِ کثرتِ اسماء و صفات (صفات کے ظہور) کی مقتضی ہے، بخلاف احدیت کے کہ وہ کثرتِ اسماء و صفات کی مقتضی نہیں۔

مظهر صمد: وہ شخص جو صمدیت کا مظہر ہو، جس کی طرف بلیّات (مصیبتوں) کے دفع اور خیرات کے حُصول کے لیے رُجوع کیا جائے، اور اسے دفعِ عذاب اور اِعطائے ثواب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفیع بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جب ربوبیت کی نظرِ کرم عالم کی طرف فرماتا ہے تو اس کا مطمحِ نظر (مرکزِ توجہ) وہی عبد الصمد ہوتا ہے۔

چنانچہ صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں: "وَعَبْدُ الصَّمَدِ (وَلِيُّ اللهِ) هُوَ مَظْهَرُ الصَّمَدِيَّةِ الَّذِي يُصْمَدُ إِلَيْهِ، أَيْ يُقْصَدُ لِدَفْعِ البَلِيَّاتِ وَإِيصَالِ أَمْدَادِ الخَيْرَاتِ، وَيُسْتَشْفَعُ بِهِ إِلَى اللهِ لِدَفْعِ العَذَابِ وَإِعْطَاءِ الثَّوَابِ."[16] (ج۱۰، ص۳۸۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا ولی جو صفتِ صمد کا مظہر ہے، اس کی طرف مصیبتوں کے دفع اور خیرات کے حصول کے لیے رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے دفعِ عذاب اور اِعطائے ثواب کی سفارش طلب کی جاتی ہے۔

فائدہ: اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے مظہر ہوتے ہیں۔ ان سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ہوتا ہے جو ان کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ان سے مدد (وسیلہ) مانگنا کون سا جرم ہے جس پر بعض لوگ بلاوجہ شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

---

[14] (روح البيان، الإخلاص:2، 10/ 537، دار الفكر ـ بيروت)

[15] (روح البيان، الإخلاص:2، 10/ 537 إلى 538، دار الفكر ـ بيروت)

[16] (روح البيان، الإخلاص:2، 10/ 538، دار الفكر ـ بيروت)

اس پر فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف ہے: کیا سنی مسلمان مشرک ہیں؟

فائدہ: اس آیت میں صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے فرمایا کہ اے گروہِ انبیا تمہیں نبوت ملے اور پھر مخلوق تمہارے در پر ہوا گر عین اسی وقت میرے محبوب مدنی ﷺ تشریف لائیں تو تم پر فرض ہو گا کہ تم ان کے تابعدار بن جانا۔ اس میں بڑی شد و مد اور تاکید اکید (بہت مضبوط تاکید) کے ساتھ عہد و پیمان (پختہ وعدہ) لیا گیا اور پھر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ اس عہد کی خلاف ورزی پر سخت سزا ہے۔ آیت کے مضمون سے واضح ہو گیا کہ توحید بیکار ہے جب تک شہنشاہِ عالم ﷺ سے تعلق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان مارا گیا حالانکہ بڑا عابد و زاہد (بہت عبادت گزار اور دنیا سے کنارہ کش) بھی تھا اور موحِّد (اللہ کو ایک ماننے والا) تو ایسا کہ اس کی نظیر ناپید (بہت کم ملنے والی) ہے۔ اور اب بھی وہی بات ہے، کوئی شخص زندگی بھر توحید توحید پکارتا پھرے اور پھر اسے نورِ نبوت (رسالت کی ہدایت) سے دوری ہو تو اس کی توحید اس کے منہ پر ماری جائے گی۔ اور قبر تک کے سوالات میں یہ قاعدہ جاری رکھا گیا کہ پہلے سوال " مَنْ رَبُّكَ ؟" میں نِرِی (خالصۃً) توحید ہے لیکن " رَبِّيَ اللهُ" کہنے سے رہائی نہیں ہوئی اور نہ ہی " دِينِي الإِسْلَامُ" سے نجات ہوئی بلکہ جب شانِ رسالت ﷺ کا اقرار کیا تو کامیاب ہو گیا۔ اب توحید کام نہ آئی جب تک توحید کا دامن نہ تھاما۔

سوال: اہلِ اسلام کا وہ کون سا فرقہ ہے جو توحید کے ساتھ رسالت کا اقراری نہیں پھر تمہارا دعویٰ کہ تمام فرقے اگرچہ کلمہ گو ہیں جہنمی ہیں اور صرف اہل سنت ناجی (نجات پانے والے)۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: صرف کسی کے نام کا اقرار کر لینا اور اس کی حقیقت یا صفت کا مفہوم تبدیل کر لینا نہ ماننے کے مترادِف (برابر) ہے۔ دیکھئے زید سفید رنگ اور نہایت حسین و جمیل ہے اور کوئی دوسرا اس کے متعلق کہے کہ وہ سیاہ فام اور موٹے ہونٹ اور لمبی ناک اور ٹیڑھی کمر والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب بتایئے کہ اس نے زید کو مانا تو ہے لیکن اس کا نہ ماننا اس کے ماننے سے اچھا تھا۔ یہی بات شانِ رسالت ﷺ میں ہے، کوئی کہتا ہے کہ نبی ایک ڈاکیہ (پیغام پہنچانے والا) تھا، کوئی کہتا ہے کہ نبی ایک لیڈر تھا، کوئی کہتا ہے کہ نبی گاؤں کے چودھری کی طرح ہے اور اس کی قدر صرف بڑے بھائی جیسی ہونی چاہئے، کوئی کہتا ہے کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں اور اس کے علم سے شیطان کا علم وسیع ہے اور نبی کے تصور سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور نبی کا علم صَبی (بچے)، بَہائم (جانوروں)، مجنون (دیوانے) جیسا ہے، کوئی کہتا ہے کہ نبی کے بعد نبی آسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب بتایئے یہ باتیں نبوت کے ماننے میں ہیں یا الٹا نبوت سے ٹھٹھا مخول (تمسخر) کرنا ہے۔ زمانہ حال کے مذاہب کو چھوڑیئے بھلا زمانہ قدیم کے کلمہ گو لوگوں نے کون سا جرم کیا کہ آج تمام موجود فرقے ان کی تکفیر (کافر قرار دینے) پر متفق ہیں۔ کیا قدریہ اور جبریہ کلمہ کے قائل نہیں تھے لیکن قضا و قدر کے انکار سے کافر ٹھہرے۔ اسی طرح مُجسِّمہ (اللہ کے لئے جسم ماننے والے) اور مُشبِّہہ (اللہ کو مخلوق سے مشابہ قرار دینے والے) اور مُعطِّلہ (صفاتِ الٰہی کا انکار کرنے والے) وغیرہم کیوں کافر ہیں حالانکہ وہ بھی توحید و رسالت کے قول کا دم بھرتے تھے اور معتزلہ تو ایسے موحِّد تھے کہ آج کل کے فرقے ان کی توحید و عبادت گزاری میں ایک بال برابر بھی نہیں پہنچ سکتے لیکن وہ صفاتِ باری تعالیٰ کو صرف حُدوث (مخلوق جیسا حادث ہونے) کا درجہ دینے سے مارے گئے۔ ثابت ہوا کہ جب تک توحید و رسالت کا صحیح مفہوم دل میں منقوش (گہرا ثبت) نہ ہو گا نجات نصیب نہیں ہو گی اور اس کا صحیح مفہوم اہل سنت و جماعت کے سوا کسی اور فرقہ کے پاس نہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقامات پر بیان ہو گا۔

فائدہ: "هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ."، وہ اللہ ہے ایک، اگر "هو" کا مرجع اللہ ہو، جو کہ سوال میں وارد ہوا کہ انہوں نے کہا: " وَمَا صِفَةُ رَبِّكَ؟ أَهُوَ مِن نُحَاسٍ أَمْ مِن ذَهَبٍ أَمْ زُمُرُّدٍ أَمْ كَيْفَ هُوَ؟ "[17] تو "هو" مبتدا (جملے کا پہلا جز) اور اللہ اس کی خبر (جملے کا دوسرا جز) ہوئی، اور اگر ضمیر شان کی ہو تو پھر جملہ مابعد اس کی تفسیر واقع ہوگی، اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود (جس کا وجود ضروری ہو) اور جمیع محامد (تمام تعریفوں) کا مستحق ہے، اس میں لازم آگیا کہ جمیع کمالات ثابت ہو جائیں جیسے قدرت، ارادہ، علم اور حیات، اور احد کہنے سے صفاتِ سلبیہ (نقائص کی نفی والی صفات) بھی ثابت ہوئے، یعنی قدم (ہمیشہ سے ہونا) اور بقاء (ہمیشہ باقی رہنا) اور غناء مطلق (کامل بے نیازی) اور "وَالتَّنَزُّهُ عَنِ الشَّبِيهِ وَالنَّظِيرِ وَالمِثِيلِ فِي الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالأَفْعَالِ." (ذات، صفات اور افعال میں ہر مثل ومشابہت سے پاک ہونا)، صرف ان دو لفظوں میں عقائد توحید ثابت ہو گئے۔[18] (صاوی)

الصمد کی مزید تحقیق: لفظ الصمد از صمد بمعنی کسی معتمد علیہ (جس پر بھروسہ کیا جائے) کی طرف قصد (ارادہ) کرنا، اور الصمد بمعنی "الذي يُصْمَدُ إليه (جس کی طرف رجوع کیا جائے)۔ بعض کہتے ہیں صمد وہ شے جو کھوکھلی نہ ہو، اسی لئے پتھر کو عربی میں صمد کہتے ہیں، اور باری تعالیٰ پر اس لئے اطلاق کیا گیا کہ کفار کے بُت اس صفت سے خالی نہ تھے، اور حضرت عیسیٰ اور بی بی مریم علیہما السلام سے صفتِ معبودیت نہ ماننے میں بھی اسی جَوف (کھوکھلا پن) کے وجود کو علت بنایا گیا ہے، " كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ "[ط] (المائدۃ: 75) (وہ دونوں کھانا کھاتے تھے)، اور بمعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد دائم و باقی رہنے والا، اور بمعنی رفیع کہ اس کے فَوق (اوپر) کوئی اور رفیع (بلند) نہ ہو۔[19] (مفردات، صراح، قاموس، صاوی) اس کے علاوہ بہت معنی صاحبِ روح المعانی نے درج کئے۔

لم يلد ولم يولد: از ولادۃ باب ضَرب (قاعدہ)، ہر کان والی مادہ بچے جنے گی اور اس کے برعکس انڈے، كَمَا قِيلَ: " كُلُّ أَذُونٌ وَلُودٌ وَكُلُّ صَمُوخٌ بَيُوضٌ "[20] (المصباح المنیر) اس موضوع پر جاحظ نے مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

ولم يكن: از افعالِ ناقصہ اور اس کے کئی استعمالات ہیں جو فقیر نے "التوضیح الکامل شرح شرح مائۃ عامل" میں تحریر کئے۔

كفواً: بمعنی مساوی، خواہ رتبہ میں ہو یا قدر میں،[21] اور كفو شبیہ (مشابہ)، نظیر (ہم مرتبہ) اور مثیل (بالکل مثل) ہر ایک کو شامل ہے، کیونکہ مثیل وہ ہے جو کسی کا جمیع صفات میں شریک ہو، اور شبیہ وہ ہے جو اکثر صفات میں شریک ہو، اور نظیر وہ ہے جو بعض قلیل صفات میں شریک ہو، اور كفو کا لفظ ان ہر سہ پر بولا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان ہر سہ اقسام کے شریکوں سے منزّہ و مبرّا (پاک) ہے۔ (مفردات وصاوی)

توحید خدا بوسیلۂ مصطفی: اس سورت میں توحید کا مضمون ہے لیکن اس کا آغاز "قل" سے ہے اور یہی قراءت متواترہ (مسلسل متواتر طریقے سے منقول قراءت) ہے، اسی لئے جس قراءت میں قل نہیں وہ قراءت شاذہ (غیر متواتر) ہے۔ (صاوی)

---

17) (تمہارے رب کی صفت کیا ہے، کیا وہ تانبے یا سونے یا زمرد کا ہے یا کیسا ہے؟) (نوری)

18) (حاشية الصاوي على تفسير الجلالين، تفسير سورة الإخلاص ، 4/ 449، دار الكتب العلمية ـ بيروت، 2018م)

19) (المفردات في غريب القرآن ، كتاب الصاد، صمد ،ص493، دار القلم، الدار الشامية – دمشق بيروت، الطبعة: الأولى – 1412 هـ)

20) (المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، 1/ 68، المكتبة العلمية – بيروت)

21) (المفردات في غريب القرآن ، كتاب الكاف، كفؤ ،ص718، دار القلم، الدار الشامية – دمشق بيروت، الطبعة: الأولى – 1412 هـ)

اس میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ جس توحید میں سرکار کونین ﷺ کا واسطہ نہ ہوگا وہ توحید بیکار ہے۔

خِلافِ پیغمبر کسے راہ گزید ہرگز بہ منزل نخواہد رسید[22]

یہی وجہ ہے کہ کفار مکہ موحد تو تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن سرکار ﷺ سے بے تعلق ہوئے اس لئے مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ (سورۃ الزخرف، آیت ۸۷)

ترجمہ: اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ، پھر یہ کہاں الٹے پھرے جاتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (سورۃ لقمان، آیت ۲۵)

ترجمہ: اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۸)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

فائدہ: صاحبِ روحُ البیان رحمۃ اللہِ علیہ نے فرمایا کہ "لَمْ يَلِدْ" ملائکہ اور حضرت مسیح علیہِ نبینا وعلیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنے والوں کا منصوصاً (صراحتاً، واضح طور پر) رد ہے۔ اسی لیے ماضی پر نفی وارد ہے، "لَنْ يَلِدْ أَوَّلًا يَلِدْ" نہیں فرمایا یعنی اس سے اولا کا صدور (پیدائش یا وجود) نہیں ہوا، کیونکہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں، تاکہ اس کی ہم جنس جورو ہوتا، بچے پیدا ہو سکیں، یا یہ کہ وہ کسی کا محتاج (ضرورت مند) نہیں، جو اس کی مدد کرے یا اس کا جانشین (بعد میں اس کی جگہ لینے والا) ہو، کیونکہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ اس پر فنا (ختم ہونا) ہے۔[23]

سوال: یہاں "لَمْ يَلِدْ" اور بنی اسرائیل میں فرمایا "لم يَتَّخِذ" کی وجہ کیا ہے؟

جواب: نصاری (عیسائی) کے دو گروہ ہیں: ۱۔ حضرت عیسیٰ علیہِ السلام خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا قرار دیتے ہیں۔ "لَمْ يَلِدْ" میں انہی کا رد ہے۔

۲۔ عیسیٰ علیہِ السلام کو اللہ تعالیٰ نے (منہ بولا) بیٹا بنا رکھا ہے، ان کی شرافت (بزرگی و عزت) کی وجہ سے، جیسے ابراہیم علیہِ السلام کی شرافت پر انہیں خلیل اللہ (اللہ کا خاص دوست) بنایا گیا۔ ان کے رد میں فرمایا: "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا."[24]

و لم یولد (اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا): اس کی کسی سے ولادت کی نسبت نہیں، کیونکہ اس پر عدم (وجود سے پہلے نہ ہونا) کی سبقت کی نسبت محال (ناممکن) ہے۔

---

[22] ترجمہ: جو شخص پیغمبر ﷺ کے طریقے کے خلاف راستہ اختیار کرے گا، وہ ہرگز منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا۔ (نوری)

[23] (روح البیان، الإخلاص: 3، 10/ 539، دار الفکر۔ بیروت)

[24] (روح البیان، الإخلاص: 3، 10/ 539، دار الفکر۔ بیروت)

فائدہ: بعض نے کہا کہ والدیۃ(باپ ہونے کا تعلق)ومولودیۃ(اولاد ہونے کا تعلق)کی نسبت میں مثلیت(مشابہت وہم نوع ہونا)ہی ہوتی ہے، کیونکہ مولود کو ضروری ہے کہ وہ والد کے مثل ہو،اور ہویۃ واجبہ اور ہویات ممکنہ کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

حضرت البقلی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ." کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوادث(وقائع یاحالات)کا حل نہیں اور حوادث اس کا محل(مقام یا محیط)ہیں،اور تصریح ہے کہ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا، باوجود یہ کہ اس کے مضمون کے معترف ہیں،ماقبل کی تقریر سے اور اس کی تحقیقِ بالا شارہ یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں لازم وملزوم ہیں،یعنی جو دوسرے کو جنتا ہے وہ کسی دوسرے سے پیدا ہوتا ہے،اور جو کسی کو نہ جنے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوتا۔اس سے لازماً ثابت ہوا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا،تو وہ بھی کسی سے پیدا نہیں ہوا۔[25]

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ " لَمْ يَلِدْ " کا مقدمہ اس لیے فرمایا گیا کہ کفار کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالی کی اولاد ہے، لیکن ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔[26]

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ " لَمْ يَلِدْ " میں یہود کا رد ہے،وہ قائل تھے کہ عزیر علیہ السلام(معاذاللہ)اللہ تعالی کا بیٹا ہے،اور " لَمْ يُولَدْ " میں نصاری کا مراد ہے،وہ قائل تھے کہ(معاذاللہ)عیسیٰ علیہ السلام خدا(معبود)ہیں۔[27]

فائدہ: حضرت ابواللیث نے فرمایا کہ "لَمْ يَلِدْ "یعنی اس کی اولاد نہیں،کہ اس کی وارث ہو،اور "لَمْ يُولَدْ"یعنی اس کا کوئی والد نہیں،کہ یہ اس کا وارث ہو۔[28]

تفسیرِ عالمانہ

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ(اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی)

حَلّ لُغات: کہا جاتا ہے"هَذَا كِفَاؤُهُ وَكِفْؤُهُ."یعنی یہ اس کی مثل ہے،"كَافَأَ فُلَانًا مَثَلَهُ"وہ اس کا ہم مثل ہے،"لَّهُ "اس کا صلہ ہے،اس پر مقدم ہے، باوجودِ یہ کہ اس کا حق ہے کہ وہ مؤخر ہو،اس کے مہتم ہونے(اہم ہونے)کی وجہ سے مقدم کیا گیا۔مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفو کی نفی،یعنی نہ اس کا کوئی ہم کفو ہے،نہ ہم مثل ہے،نہ ہم شکل،بلکہ تمام اکفا(امثال)کا خالق وہی ہے۔[29]

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ اس سے"كُفُوٍ فِي النِّكَاحِ."مراد ہو،یعنی اس سے کسی سے نکاح کی نفی مراد ہے۔

فائدہ: اسمِ کان کی نفی کی تاخیر رعایتِ فواصل(وقف وتسلسل)کی وجہ سے ہے۔

---

[25] (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

[26] (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

[27] (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

[28] (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

[29] (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

ربطُ جمل ثلاث: ان تینوں جملوں کا رابطہ بالعطف یوں ہوگا کہ ان سے تینوں اقسام کی نفی مراد ہے، در حقیقت یہ ایک جملہ ہے، صرف تنبیہ (توجہ) کی خاطر انہیں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمۃ اللہِ علیہ نے فرمایا کہ یہ اُحدیت کثرت وانقسام کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی وحدۃ ذاتیہ (ذات کی یکتائی) غیر کو مقارن ہے، اس لیے کہ وجودِ مطلق کے سوا باقی سب عدم محض ہے، اس لیے اس کا کوئی ہم مثل نہیں ہو سکتا، کیونکہ عدم محض وجودِ محض کا مثل نہیں کہا جا سکتا۔[30]

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہِ علیہ نے فرمایا کہ اس میں مجوس و مشرکینِ عرب کا رد ہے۔ انہوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالی کی کفو (ہم شکل یا ہم مثل) ہے۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ اس سورۃ کی ہر ایک آیت اپنی پہلی آیت کی تفسیر ہے۔ مثال: کوئی کہے ھو؟ کون ہے؟ تم کہو: "أحد" پھر کہے: "أحد" کون ہے؟ تم کہو: "صمد" پھر کہے: "صمد" کون ہے؟ تم کہو: "لَمْ يُولَدْ" پھر سوال کرے: "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" کون ہے؟ تم کہو: "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ."[31]

"لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" مشرکینِ عرب کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں، یہود کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالی کے بیٹے ہیں، اور نصاری کہتے تھے کہ یسوع علیہ السلام اللہ تعالی کے بیٹے ہیں۔ ان سب کی تکذیب صرف ان دو لفظوں میں ہو گئی، کیونکہ ولادت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی مادہ اس سے منفصل ہو اور یہ ترکیب کو تقاضہ کرتا ہے، اور اللہ تعالی ترکیب سے منزّہ (پاک) ہے۔ یوں کہو کہ والد اور مولود ہم جنس ہوتے ہیں، اور اللہ تعالی کسی کی ہم جنس نہیں کیونکہ وہ واجب الوجود ہے، اور باقی تمام ممکن الوجود ہیں۔[32]

سوال: "لَمْ يَلِدْ" میں والدیت کی نفی ہے، اور "وَلَمْ يُولَدْ" میں مولودیت کی۔ اب سوال یہ ہے کہ مولودیت کی نفی کو مؤخر کیوں کیا گیا، حالانکہ عقل یہ چاہتی ہے کہ اس کی نفی مقدم ہو کیونکہ مولودیت پہلے ہوتی ہے اور والدیت بعد میں۔

جواب: جو چیز اہمیت رکھتی ہو، اس کا ذکر پہلے آ گیا۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ واجب الوجود سے اولادِ عقل پیدا ہوتی ہے، پھر اس عقل سے دیگر عقل، نفس و فلک، یہاں تک کہ عقلِ مدبر جو کہ اقمر کے ماتحت ہے وغیرہ۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں ان سب خرافات سے منزّہ ہوں۔

سوالات و جوابات

سوال: جب "اللہ" ایک بار لفظ مذکور ہوا تو دوبارہ کا کیا فائدہ اور بلاغت کے بھی خلاف کہ ایک کلام میں ایک لفظ کی تکرار بار بار ہو؟

جواب: تمہیدی طور یہ بات ذہن نشین کر لیں، جو کہ ایک مقدر سوال کا جواب بھی ہے، وہ یہ ہے کہ جملہ "أَحَدٌ هُوَ اللهُ." کی خبر احد کو نکرہ اور اسی جملے یعنی "اللهُ الصَّمَدُ." کی خبر، الصمد کو معرفہ ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ عام خیالات میں یہ ہے کہ ہر موجود محسوس ہوتا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شے محسوس ہو اور اسم بھی ہو، اور ایسی ذات جو انقسام سے پاک و منزہ ہو، ہم نہیں جانتے، اور جو شے غیر معلوم ہو وہ نکرہ ہوتی ہے۔ اسی لیے "أحد" کو نکرہ ہونا لازمی ہوا اور "الصمد" بمعنی "الَّذِي خَلَقَ الأَشْيَاءَ." (وہ جس نے تمام چیزیں پیدا کیں) ہے، اور اس معنی کو کفار بھی مانتے تھے، كَمَا قَالَ: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ

---

30) (روح البيان، الإخلاص:3إلى 4 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

31) (روح البيان، الإخلاص:3 ، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

32) (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 3، 32 / 363،دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾(سورۃ الزخرف، آیت ۸۷)ترجمہ: اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ، پھر یہ کہاں الٹے پھرے جاتے ہیں؟اس لحاظ سے "الصمد" کو معرفہ لایا گیا۔اب سوال سمجھنا آسان ہو گیا کہ اگر دونوں جملوں میں لفظ "الله" نکرہ نہ ہوتا تو لفظ اول کی دو خبریں ہوں گی اور دونوں کو نکرہ یا معرفہ قرار دینا مشکل ہو جاتا۔

اب پہلی صورتوں کے متعلق تمہیدی بحث یاد کریں کہ لفظ "احد" کو نکرہ اور "الصمد" کو معرفہ ہونا لازمی ہے۔اس ضرورت کے ماتحت لفظ "اللہ" کا تکرار ہوا۔[33] (تفسیر کبیر، امام رازی ملخصاً)

سوال: "هُوَ اللهُ أَحَدٌ" میں خبر نکرہ اور " اللهُ الصَّمَدُ" میں خبر معرفہ؟

جواب ۱: سوالِ گذشتہ کے جواب میں تمہیدی کلمات میں ہو گیا ہے۔

جواب ۲: لفظ "أحد" ایسی جامع صفت ہے جو جمیع صفاتِ کمالیہ (تمام کمالات) پر دلالت کرتی ہے، اور "الصمد" کا مقتضی بھی وہی صفات ہیں۔تو "أحد" سے قبل کوئی ایسی عبادت نہیں گزری جو جمیع صفات کی حامل ہو۔ "الصمد" سے پہلے "أحد" آیا ہے، اسی لیے "أحد" میں الف و لام لایا گیا جو عہد کا ہے۔[34]

(تفسیر عزیزی معہ اضافہ)

سوال: آئندہ جملوں میں حرف عطف ہے اور یہاں کیوں ترک کیا گیا؟

جواب ۱: یہ جملہ، جملہ اولی کی دلیل ہے، یعنی دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالی ایک ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذات کسی کی محتاج نہیں، بلکہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہیں، اسی لیے وہ معبود ہے اور کسی کا شریک نہیں۔

جواب ۲: جملہ ثانیہ، جملہ اولی کا نتیجہ ہے، یعنی جو احد ہے وہ صمد ضرور ہے۔[35] (روح المعانی وغیرہ)

"الصمد": صمد فعل بمعنی مفعول یعنی محمود ہے، اور اس کے چند معانی فصلِ لغت میں ذکر ہو چکے ہیں۔امام رازی اور صاحبِ روح المعانی نے وجوہ بیان کیے ہیں۔البتہ ایک بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ جہاں ہم نے الصمد کو "پتھر" کے معنی میں لیا، اس کی توجیہ بحث لغت میں درج ہے تاکہ مجسمہ کہہ سکیں کہ اللہ تعالی کا جسم ہے، ورنہ الصمد کی صفت نہ ہوتی۔چونکہ یہ بحث علمِ کلام سے تعلق رکھتی ہے اور ایسے لوگ موجود نہیں، اس لیے اسے بحث میں لانا طویل اور لاحاصل ہے۔[36]

نوٹ: مجسمہ ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالی کی جسمانیت کے قائل ہیں۔اب بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالی کا جسم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(اویسی غفرلہ)

---

[33] (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 2، 32 / 363، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

[34] (تفسیرِ عزیزی جدید [مترجم]، پارہ عم، سورۃ الاخلاص، ص679تا680، ادارہ اسلامیات، کراچی۔لاہور، طبع اول رمضان المبارک 1423ھ، نومبر 2002ء)

[35] (كتاب تفسير الألوسي روح المعاني، سورة الإخلاص، 15/ 516، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1415 هـ – 1994 م)

[36] (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 2، 32 / 362، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

سوال: یہاں "لَمۡ یَلِدۡ" فرمایااور سورہ بنی اسرائیل میں "وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا"، ارشاد ہوااس کی کیاوجہ ہے؟

جواب: دراصل "ولد" دو قسم کی ہوتی ہے: ا۔ حقیقی، جو اپنے والد کا مشابہ و ہم مثل ہو۔ ۲۔ غیر حقیقی، جو کسی کو پیار و محبت سے اپنا بیٹا بنائے؛ وہ اگرچہ اس کا مثل نہیں ہوتا لیکن بیٹا بنانے والا محبت کے اظہار سے اپنی ضرورت ظاہر کرتا ہے، جس میں محتاجی شامل ہوتی ہے۔

چونکہ نصاری کے دو گروہ تھے: ایک گروہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حقیقی بیٹا نہیں سمجھتا تھا، لیکن کہتے تھے کہ اللہ تعالی نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا، جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا گیا تھا۔ سورہ اخلاص میں گروہ اول کا رد فرمایا گیا، اور سورہ بنی اسرائیل میں گروہ دوم کی تردید کی گئی۔[37] (تفسیر کبیر، روح البیان)

اب بھی بعض نصاری اپنے دعوے میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: "وَكَلِمَةٌ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَ رُوحٌ مِّنْهُ" (النساء:171) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "رُوحٌ مِّنْهُ" کہا گیا ہے، یعنی وہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ میں سے ایک روح ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ایک حصہ ہیں، جو ولد کی تعریف کے مطابق ہے، لہٰذا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ایک فاحش غلطی ہے، کیونکہ "مِّنْهُ" سے جزئیت (جزو ہونا) ثابت نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہوتے بلکہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی اولاد تصوّر ہو جاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ"[38] (سورۃ الجاثیۃ، آیت ۱۳) یہاں بھی "رُوحٌ مِّنْهُ" کی طرح "جَمِيعًا مِّنْهُ" ہے۔

سوال: سورۃ کے جملوں میں "لم یلد" تک حرف عطف کیوں نہیں اور پھر حرف عاطفہ کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب: حرفِ عطف کا مقتضی مغایرت (تناقض) ہے۔ "لَمۡ یَلِدۡ" اور "لَمۡ یُولَدۡ" اور "وَلَمۡ یَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ" ایک دوسرے سے مُغایر ہیں: "لَمۡ یَلِدۡ" میں والدیت کی نفی ہے۔ "لَمۡ یُولَدۡ" میں مولودیت کی نفی ہے۔ "وَلَمۡ یَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ" میں مماثل یا شریک کی نفی ہے۔ چونکہ ہر جملہ اپنے سابق کے لیے مقرر و محقق ہے، اس لیے حرفِ عطف لانا ناموزوں (نامناسب) تھا۔ اسی لیے "لَمۡ یَلِدۡ" سے پہلے حرف عطف نہیں آیا، کیونکہ وہ "الصمد" کا مؤکد ہے۔ جب کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، تو لازماً یہ ثابت ہوا کہ نہ وہ والد ہے اور نہ مولود۔[39] (جمل وغیرہ)

"وَلَمۡ یَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ": "كُفُوًا" کو بضمِ الکاف اور بکسر الکاف پڑھا گیا و سکون الفاء۔ اسی طرح بضمِ کاف و کسرِ الفاء بھی پڑھا گیا، اصل ان میں "كُفُوًا" ہے یعنی بالضم پھر تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا، جیسا کہ قاعدہ حرفیہ کا تقاضا ہے۔

"كُفُوًا" اس کے لیے کئی اقوال ہیں: (ا) کعب و عطاء وغیرہم فرماتے ہیں کہ "كُفُوًا" بمعنے مثل و مساوی ہے، اسی سے مکافات ہے، بمعنے کسی کو پوری جزا دینا۔

---

[37] (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 3، 32 / 364، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

(روح البيان، الإخلاص: 3، 10/ 539، دار الفكر ـ بيروت)

[38] (كنزالایمان: اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے بے شک اس میں نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے۔

[39] (هاشية احمد الصاوي المالي على تفسير الجلالين، تفسير سورة الإخلاص، 4/ 361، مطبعة بولاق، 1878م)

(۲) مجاہد فرماتے ہیں کہ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا بمعنے اس کی کوئی زوجہ (بیوی) نہیں، جب اس کی زوجہ نہیں تو پھر نسبِ مصاہرَت (سسرالی رشتہ) کا کیا مطلب۔ دراصل اس میں تردید (رد) ہے اس قوم کی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، فرمایا: ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ (سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۱۵۸)

(۳) مُحقّقین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا کہ میں صَمد ہوں (یعنی جمیع حوائج میرے ہاں پیش ہوتے ہیں)، پھر اس بات کی نفی بھی فرمادی کہ میری ذات تک والدیت و مولودیت (باپ یا اولاد ہونا) کا واسطہ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی مخلوق میں سے میرا کوئی مساوی (برابر) ہے، نہ وجود میں، اور نہ علم میں، اور نہ قدرت میں، کیونکہ میں واجبُ الوجود ہوں، اور میرا علم ازلی ابدی (ہمیشہ سے ہمیشہ تک) ہے، اور قدرت میں بھی کوئی ہم پلہ نہیں۔[40] (کبیر)

سوال: ظرفِ لَغو غیر مُستَقِر (ایسا ظرف جو عامل سے مضبوط تعلق نہ رکھتا ہو) کا قاعدہ ہے کہ فصیح کلام میں مؤخر ہو، جیسا کہ سیبویہ نے تصریح فرمائی ہے، اور یہاں افصحُ الکلام میں مقدم ہے؟

جواب (۱): ہر بات کا دار و مدار غرض و غایَت پر ہوتا ہے۔ یہاں پر مماثلت (برابری) کی نفی مقصود ہے، جو ظرف سے ادا ہو رہی ہے، اور یہ بھی نحوی قاعدہ ہے کہ جو شے اہم ہو اُسے مقدم کیا جائے۔ اس قاعدہ کے مطابق ظرف کو مقدم کیا گیا۔

جواب (۲): ظرف کی تاخیر سے فواصل صحیح نہیں رہتے، اور نحوی قواعد سے فَواصل (قرآنی آیات کے اختتامی آہنگ) کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔[41] (تفسیر کبیر وغیرہ)

کفر کے آٹھ اصول ہیں: (۱) ترکیب (اجزاء سے مل کر ہونا)، (۲) عدد (گنتی میں آنا)، (۳) نقص یعنی کسی کا محتاج ہونا، (۴) قلت، (۵) بساط، (۶) علت (سبب)، (۷) معلول (سبب سے پیدا ہونے والی چیز)، (۸) شبیہ و نظیر (ہم مثل و برابر)۔

کثرت و عدد کی نفی قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سے فرمائی، نقص اور قلت کی نفی اللَّهُ الصَّمَدُ سے، اور علت و معلول کی نفی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ سے، اور شبیہ و نظیر کی نفی وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ سے۔[42] (صاوی)

فائدہ: دراصل سورۃ ہذا میں ہر دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر واقع ہوئی ہے۔ مثلاً یہ کہ جب قائل نے کہا کہ هُوَ اللَّهُ، تو گویا کسی نے کہا: وہ کون ہے؟ تو قائل نے کہا: أَحَدٌ، پھر اس نے پوچھا: أَحَدٌ کیا ہے؟ تو اس نے کہا: اللَّهُ الصَّمَدُ، پھر اس نے پوچھا: الصَّمَدُ کی صفت کیا ہے؟ تو اس نے کہا: لَمْ يَلِدْ ہے اور لَمْ يُولَدْ ہے، پھر اس نے پوچھا: یہ کون ذات ہے؟ اس نے کہا: وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ہے۔[43]

خلاصۂ تفسیر

دنیا میں مذاہبِ باطلہ اصولی حیثیت سے کل پانچ ہیں:

(۱) دھریہ: وہ کہتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی صانع (بنانے والا) نہیں۔ هُوَ سے ذاتِ حق (اللہ تعالیٰ) کے وجود کا پتہ دیا گیا۔

(۲) فلاسفہ: یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کا صانع تو ہے، لیکن اس کی اپنی کوئی تاثیر (براہِ راست اثر) نہیں، بلکہ یہ امور وسائط (اسباب) سے چل رہے ہیں، ہنود (ہندوؤں) کا درحقیقت یہی مذہب ہے۔ (اللَّهُ) میں ان کی تردید ہو گئی۔

---

40) (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 3، 32 / 363، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

41) (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، الإخلاص: 3، 32 / 365، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)

42) (هاشية احمد الصاوي المالي على تفسير الجلالين، تفسير سورة الإخلاص، 4/ 360 إلى 361، مطبعة بولاق، 1878م)

43) (هاشية احمد الصاوي المالي على تفسير الجلالين، تفسير سورة الإخلاص، 4/ 360 إلى 361، مطبعة بولاق، 1878م)

(۳)ثنویہ: یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات کے لیے ایک صانع غیر مکفّی(اکیلا کافی نہیں) ہے،فلذا چاہئے کہ اس عالم میں متعدد صانع ہوں۔ (أَحَدٌ) سے ان سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔

(۴)یہود و نصاریٰ کے بعض فرقے کہتے ہیں صانع بھی مخلوق کی طرح زن و فرزند (بیوی اور اولاد) کا محتاج ہے،اسی لیے ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ و عزیر (علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا السَّلَام)اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بی بی مریم اس کی بیوی (مَعاذَاللہ) ہیں۔لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ سے ان کے عقیدے سے بیزاری ہو گئی۔

(۵) مجوس: یہ کہتے ہیں کہ صانع دو ہیں،ایک یزدان (خالقِ خیر)،دوسرے اَہرِمَن (خالقِ شر)۔اور کہتے ہیں ان دنوں کی اپنی تاثیرات و ایجادات (اثر آفرینیاں) ہیں۔ جب یزدان، خالقِ خیر، کے لشکر کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دنیا میں امن و سلامتی قائم ہو جاتی ہے،اور جب اَہرِمَن کے لشکر کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دنیا میں فسادات اور خونریزیاں پھیل جاتی ہیں۔

فائدہ: اس سورۃ مبارکہ میں ان پانچ اصولی کفر کا رد ہو گیا۔ گویا سورۃ الاِخلاص تمام مذاہبِ باطلہ سے بچا کر خالص توحید کا درس دیتی ہے،اس لیے اسے ثُلُثُ القرآن (قرآن کی تہائی) کا درجہ حاصل ہے۔

نکات

نکتہ اوّل: سورۂ اِخلاص میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے، لیکن دراصل اُن لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر والدیت (باپ ہونا) و مماثلت (برابری) کا اِفتراء (جھوٹا الزام لگایا) کرتے تھے،اور اس کا ازالہ زبانِ رسالت ﷺ سے کرایا گیا،قَالَ: قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ۔اور وہاں سورۂ کوثر میں جب اپنے محبوبِ اَکرم ﷺ پر حملے ہوئے تو خود جواب میں فرمایا:إِنَّا أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ۔(سورۃ الکوثر،آیت ۱)اب نتیجہ ظاہر ہے کہ رسالت کی شان بڑھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا، اور توحید کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا۔

نکتہ دوم: سورۂ کوثر میں کفّار نے نبی ﷺ کو اَبتر کہا،یعنی اولاد کی نفی کی،اور یہاں پر یہود و نصاریٰ نے اثباتِ اولاد کا افتراء کیا۔پھر جس طرح یہاں توحید میں کسی قسم کی کمی واقع ہونے میں ایمان دور ہو جاتا ہے،وہاں رسالت میں بھی اُسی کمی سے اسلام سے پَرے ہونا لازم آتا ہے۔

نکتہ سوم: یہاں توحید کے اثبات میں صرف قُلْ کافی ہے، لیکن وہاں رسالت کے معاملہ میں جمع "إِنَّا أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ" فرما کر شانِ رسالت ﷺ کی عظمت بتائی،یعنی ہمیں یہ فخر ہے کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی توحید محبوب ہے،دوسرا کوئی توحید کہے یا نہ کہے ہے۔اسی لیے قرآنِ پاک میں فرمایا: " وَقِيلِهِۦ يَٰرَبِّ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ (سورۃ الزُّخرُف،آیت ۸۸) لیکن شانِ رسالت ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہ یہ کہ میں واحد تیرا ثنا گو ہوں، بلکہ کائنات کے ہر ذرّے نے آپ ﷺ کی مدح و ثنا فرض کر دی۔ كما قال: إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِىِّ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا۔(سورۃ الاَحزاب،آیت ۵۶)[44]

نکتہ چہارم: یہاں اپنے دشمنوں کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اُن کو کچھ فرمایا، صرف اصل توحید کے بیان پر اکتفا کیا،اور وہاں سورۂ کوثر میں محبوب ﷺ کو بھی تسلّی دلائی،اور اپنے دشمنوں کی بھی خوب خبر لی وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ پنجم: حدیثِ شریف میں ہے: سورۂ اِخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

---

[44])کنزالایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مضامین عقائد واحکام و قصص (واقعات) پر مشتمل ہیں۔ اور مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اس کی صفات سے حاصل ہوتا ہے، باقی اس کے ذرائع ووسائل واسباب ہیں۔

نکتہ ششم: عجائباتُ التفاسیر: (۱) بعض نے فرمایا کہ والہین کا کاشف هُوَ ہے، اور موحّدین کا کاشف ٱللّٰهُ، اور عارفین کا کاشف أَحَدٌ، اور علماء کا کاشف ٱلصَّمَدُ، اور عُقَلا کا کاشف لَمْ يَلِدْ، یعنی لَمْ يَلِدْ میں توحیدُ العوام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صانع پر شواہد ودلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر نے فرمایا کہ سورۂ اِخلاص میں حالُ النُّزول کی طرف اشارہ ہے، اور وہ مجذوب کا حال ہے کہ وہ سب سے پہلے کہے: هُوَ ٱللّٰهُ أَحَدٌ ٱللّٰهُ ٱلصَّمَدُ الخ، اور صعود (اوپر چڑھنے) کا حال آخر سے معتبر ہے هُوَ کی جانب، مثلاً پہلے کہے: لَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ پھر ترقی کرتا ہوا آخر میں کہے: هُوَ۔ لیکن سالک کو لائق نہیں کہ وہ قرآن میں صرف هُوَ کے وجدان پر اکتفا کرے، بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ قرآنِ فعلی کی طرف ترقی کرے، پھر وہ قرآن کے هُوَ کا مشاہدہ کرے، اور هُوَ تمام عوالم (جہاں) کو محیط ہے۔ یہی وہ پہلا مکاشفہ ہے جو سالک کو منکشف ہوتا ہے، اور یہ سورہ باوجود یکہ چھوٹی ہے، لیکن جمیع معارفِ اِلٰہیہ پر مشتمل ہے، اور اس میں اُن ملحدین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد کرتے ہیں۔

فضائل سورة الاخلاص

فضائلِ سورۃ اِخلاص بے شمار ہیں، ان میں سے چند فضائل تبرکاً عرض کرتا ہوں:

(۱) حضرت عبدُاللہ بن الشخیر نے فرمایا کہ جس نے اپنے مرضُ الموت میں قُلْ هُوَ ٱللّٰهُ أَحَدٌ (سورۃ اِخلاص) پڑھی ہو، وہ قبر کے عذاب میں مبتلا نہ کیا جائے گا، یعنی وہ عذابِ قبر سے مامون ومحفوظ رہے گا، اور قیامت کے دن فرشتے اُسے اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر پلِ صراط سے گزار دیں گے، پھر اُسے جنت میں پہنچا دیں گے۔[45]

(رواہ الطبرانی فی الأوسط)

(۲) نبیِ پاک ﷺ نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی بنیاد سورۃ اِخلاص پر ہے، یعنی اُن کی تخلیق توحیدِ الٰہی اور اُس کی معرفت، وصفات کے دائرے کے لیے ہے، اور وہ سب کے سب اُسی میں ہیں۔[46]

(۳) حضور سرورِ عالم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ سورت (قُلْ هُوَ ٱللّٰهُ أَحَدٌ) پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَجَبَتْ (واجب ہوگئی)۔ پوچھا گیا: کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا: وَجَبَتْ لَهُ ٱلْجَنَّةُ[47] (اس کے لیے جنت واجب ہوگئی)۔

(۴) حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا، فقر وفاقہ (غربت وتنگ دستی) کی شکایت کی۔ فرمایا: جب گھر میں داخل ہو تو اگر کوئی گھر میں ہو تو اُسے السلام علیکم کہو، اگر کوئی نہ ہو تو خود پر سلام کہو، پھر قُلْ هُوَ ٱللّٰهُ أَحَدٌ ایک بار پڑھو۔ اُس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے رزق کی فراوانی (کثرت) کر دی، یہاں تک کہ وہ اپنے ہمسائیگان پر بھی خرچ کرنے لگا۔

---

45) اس باب میں بیان کردہ فضائل سورۃ الاخلاص کی تمام احادیث روح البیان سے لی گئی ہیں۔

(المعجم الأوسط، باب الألف، من اسمه أحمد، أحمد بن محمد بن الحجاج المصري، 6/ 367، الحديث 5781، مكتبة المعارف، سنة النشر: 1405هـ/ 1985م)

46) (روح البيان، الإخلاص: 3 إلى 4، 10/ 540، دار الفكر - بيروت)

47) (سنن الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في سورة الإخلاص، 5/ 154، الحديث 2897، دار الكتب العلمية)

(۵)حضرت علیُّ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ بَعْدَ صَلَاةِ ٱلْفَجْرِ إِحْدَىٰ عَشْرَةَ مَرَّةً لَمْ يَلْحَقْهُ ذَنْبٌ يَوْمَئِذٍ وَلَوِ ٱجْتَهَدَ ٱلشَّيْطَانُ"[48]

یعنی جو شخص نمازِ فجر کے بعد گیارہ مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ لے، اُسے اُس دن کوئی گناہ لاحق نہ ہوگا، اگرچہ شیطان پوری کوشش کرے۔

(۶)حدیثِ شریف میں ہے:"أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ٱلْقُرْآنَ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ؟" عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ کس کی طاقت ہے؟ فرمایا:"أَنْ يَقْرَأَ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ-" کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں پورا قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ فرمایا: تین مرتبہ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ پڑھ لیا کرے۔[49]

(۷)حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ مدینہ میں اور حضور ﷺ تبوک میں: مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تبوک میں حاضر ہوئے، عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! معاویہ بن المُزنی رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا ہے، حکم ہو تو میں زمین کو لپیٹ کر آپ کے سامنے رکھ دوں اور آپ اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! حضرت جبریل نے زمین پر پر مارا تو معاویہ بن مزنی رضی اللہ عنہ کا جنازہ آپ کے سامنے آگیا۔ آپ ﷺ نے اُن پر نمازِ جنازہ پڑھائی، آپ کے پیچھے دو صفیں ملائکہ کی تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ جب وہ لوٹ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! معاویہ بن مزنی رضی اللہ عنہ نے یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ فرمایا: قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ سے محبت کی وجہ سے، کہ وہ آتے جاتے، اُٹھتے بیٹھتے، ہر حال میں اسے پڑھتے رہتے تھے۔[50] (رواہ الطبرانی)

(۸)جب سورۃ الاخلاص نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے۔ جب بھی وہ آسمان والوں کے پاس سے گزرتے تو وہ پوچھتے: تمہارے ساتھ کیا ہے؟ وہ کہتے: نِسْبَةُ ٱلرَّبِّ۔ اس لیے اس سورت کا نام نسب الرب ہے۔[51] (کشف الاسرار)

(۹)سورۃ الاخلاص ایک ہزار ایک (۱۰۰۱) مرتبہ پڑھنے سے رفعِ حاجات (ضروریات پوری) ہوتی ہے۔ اوّل و آخر تین بار درودِ شریف پڑھیں۔ فقیر کا مجرّب (آزمایا ہوا) ہے۔

(۱۰)ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے ہر روز دو سو (۲۰۰) بار قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ پڑھی، اُس کے پچاس (۵۰) سال کے گناہ محو (مٹا) کر دیے جاتے ہیں، مگر یہ کہ اُس پر قرض ہو (یعنی قرض کا بار معاف نہ ہوگا)۔ اور جس شخص نے اپنے بستر پر سونے کے ارادے سے داہنے پہلو پر لیٹ کر قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ کو ایک سو مرتبہ پڑھا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس سے فرمائے گا: اے میرے بندے! اپنی داہنی جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔[52]

---

48) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

49) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

50) (المعجم الكبير، باب الميم، من اسمه معاويةمعاوية بن معاوية المزني، 19/ 429، الحديث1040،مكتبة ابن تيمية – القاهرة، الطبعة: الثانية)

51) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

52) (سنن الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في سورة الإخلاص، 5/ 155، الحديث2898، دار الكتب العلمية)

(۱۱)طبرانی نے اپنی کتاب الأوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص دس بار قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ پڑھے،اُس کے لیے جنت میں ایک قصر (محل) تعمیر ہو جاتا ہے،اور جو بیس مرتبہ پڑھے اُس کے لیے دو قصر،اور جو تیس مرتبہ پڑھے اُس کے لیے تین قصر جنت میں بنا دیے جاتے ہیں۔[53]

طبرانی نے ہی اپنی کتاب الصغیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص نمازِ صبح کے بعد بارہ مرتبہ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ پڑھتا ہے،تو گویا وہ پورا قرآن چار مرتبہ پڑھ لیتا ہے،اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے بھی تو اُس دن روئے زمین پر سب سے بہتر شخص ہوتا ہے۔[54]

(۱۲)امام احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا: کیا میں تجھے ایسی سورت نہ سکھاؤں جس کا مثل اللہ تعالیٰ نے تورات،زبور،انجیل اور فرقان میں سے کسی کتاب میں بھی نازل نہیں کیا؟ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی،بے شک یا رسول اللہ ﷺ۔تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ. قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ہیں۔[55]

خلاصہ یہ کہ اس کا نام اخلاص بھی اسی لیے ہے کہ یہ شرک سے اخلاص اور عذاب سے خلاصی و نجات بخشتی ہے،یا توحید میں خالص ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "عَفْوُ رَبِّی وَيُثْقَىٰ بِالْخَلاصِ وَاعْتِصَامِي سُورَةُ الْاِخْلَاصِ" "میرے رب تعالیٰ کا عفو (بخشش) میری نجات کا وثیقہ ہے اور میرا اعتصام (پناہ و سہارا) سورۃ الإخلاص ہے۔" اس لیے کہ یہ سورت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے،کہ اس میں سوائے اُس کے اور کسی شے کا ذکر نہیں،نہ دنیا کا،نہ آخرت کا۔[56]

حنفی نے کہا: یہ (سورۃ الإخلاص) اپنے پڑھنے والے کو شدائدِ آخرت اور سکراتِ الموت (موت کی اذیت)،ظلماتِ قبر (قبر کی تاریکی)،اور اہوالِ قیامت (قیامت کے خوفناک مناظر) سے نجات بخشتی ہے۔[57]

حضرت قاشانی نے فرمایا کہ اخلاص اس لیے ہے کہ اس میں حقیقتاً أحدية کو شائبۂ کثرت سے نجات بخشتی ہے۔[58] (روح البیان)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ.

اما بعد ! فقیر نے سورۃ الإخلاص کی تفسیر،موسوم بہ "خیر الخلاص فی تفسیر سورۃ الاخلاص" لکھی۔اس کا باب الخواص کا آخری حصہ علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ.

---

53) (المعجم الأوسط،باب الألف،من اسمه أحمد، أحمد بن محمد بن الحجاج المصري، 1/ 198، الحديث283، مكتبة المعارف، سنة النشر: 1405هـ/ 1985م)

54) (المعجم الصغير، باب الألفمن، اسمه أحمد، 1/ 62، الحديث149، دار الفكر، سنة النشر: 1418هـ/ 1997م)

55) (مسند الإمام أحمد، مسند الشاميين، حديث عقبة بن عامر الجهني عن النبي صلى الله عليه وسلم، 4/ 159، الحديث16999، دار إحياء التراث العربي، سنة النشر: 1414هـ/ 1993م)

56) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

57) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

58) (روح البيان، الإخلاص:3إلي 4 ، 10/ 540، دار الفكر ـ بيروت)

پہلا باب

دعوت، نصاب، زکوٰۃ و عشر و قفل میں۔

جو شخص چاہے کہ دعوت کرے، پہلے اللّٰہُ الصَّمَدُ، اجِبْ یَا أَسْرَافِیلُ أَوْ یَا مُؤَکِّلَاتُ چار لاکھ بار پڑھ کر چار حصے کرے۔

پہلا حصہ: نصاب کی نیت سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھے۔

دوسرا حصہ: زکوٰۃ کی نیت سے پڑھے، اور اس کا ثواب حضرت رسالت ﷺ اور حضرت خضر علیہ السلام کی روح پُر فتوح کو بخشے۔

تیسرا حصہ: عُشر کی نیت سے پڑھے، اس کا ثواب حضرت مخدوم سید جلال جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد کو بخشے، تاکہ تمام کام دینی و دنیوی حاصل ہوں۔

چوتھا حصہ: قفل کی نیت سے پڑھے، اس کا ثواب تمام مسلمانوں کو بخشے، اور جس پر نظر کرے کیمیا (خواہشات کی تکمیل) ہو جائے، اور جو کچھ دل میں ہو حاصل ہو۔ اس کے لیے کہ الصَّمَدُ اسمِ اعظم ہے، اور معنی: صمد یعنی عاجزوں کی پناہ۔ تفسیروں میں آتا ہے: "الصَّمَدُ الَّذِي كُلُّ شَيْءٍ يَعُودُ إِلَيْهِ." یعنی الصَّمَدُ وہ ذات ہے جس کی طرف ہر شے رجوع کرے۔

اس کے بعد بطور نصاب، زکوٰۃ، عشر اور قفل، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ "اُو باری تعالیٰ! نصاب، زکوٰۃ، عشر و قفل بقدر رسیدنی (میری استطاعت) میں پڑھے، یعنی نہ پڑھنے کے برابر پڑھا، تو اپنے لطف و کرم سے تمام حاجتیں ادا فرما۔" اور اس کے بعد ایک بار یہ پڑھے:

"اللَّهُمَّ يَا عَالِمَ السِّرِّ وَالْخَفَايَا، حَيٌّ وَكَاشِفُ الضَّرِّ وَالْبَلَايَا، اكْشِفْ عَنَّا الْحُزْنَ وَالْأَذَى، وَافْتَحْ عَلَيْنَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَابْتَحِ بَابَ الْمُرَادَاتِ مُنِيرًا لِلدُّنْيَا وَالدِّينِ، بِحُرْمَةِ أَوْلَادِ حَسَنٍ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدِ بَاقِرٍ عُثْمَانَ بُخَارِي، اقْضِ حَوَائِجَنَا يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَعَالِمَ السِّرِّ وَالْخَفِيَّاتِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ."

دوسرا باب

کفایتِ کلی و جزوی کے بیان میں: جس کسی کو مہم کلی و جزوی پیش آئے کہ کسی طرح حل نہ ہو سکتی ہو، تو چاہیے کہ اللّٰہُ الصَّمَدُ کو نمازِ صبح و عشاء کے بعد ہزار مرتبہ، مع درود شریف تین مرتبہ پڑھے۔ تمام حاجات کلی و جزوی حاصل ہو جائیں گی۔ اور جو کوئی ہر نماز کے بعد سو مرتبہ پڑھے، کسی وقت رنجیدہ نہ ہو اور ایمان سلامت رہے، جس نے اللّٰہُ الصَّمَدُ بعد سو مرتبہ درود کے پڑھا، تو اس کا ایمان مرنے کے وقت نہ جائے گا۔" اور اگر اللّٰہُ الصَّمَدُ نماز کے بعد پچاس مرتبہ پڑھے تو اس کا مرتبہ دونوں جہانوں میں بلند ہو۔

"جواہر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ اگر کسی کو مشکل کام درپیش آیا ہو اور تدبیر نہ نکلتی ہو، تو چاہیے کہ بدھ کی رات کو نہائے، اور مخدوم سید جلال جہانیاں کی روح کو ختم بخشے، اس کے بعد ہزار بار پڑھے، اس کا کام پورا ہو جائے گا۔

اور کتاب "خمس الأنوار" تصنیف سید باقر بن عثمان بخاری[59] میں لکھا ہے کہ جو کوئی اللّٰهُ الصَّمَدُ نماز کے وقت بہت پڑھے، تو اسے جمال و جلال اللہ تعالیٰ کا نصیب ہو۔ سب خلائق: آسمان و زمین، پرندہ، چرندہ و درندہ، اس سے محبت رکھیں گے۔ اور سید باقر نے فرمایا: جس کسی نے اللّٰهُ الصَّمَدُ کے لیے تین راتیں زندہ کیں، تو اس کے بدن پر آگ حرام ہو جائے، اور اسے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو گی۔

اور کتاب "اکبرِ جلالی" تصنیف سید باقر بن عثمان بخاری میں لکھا ہے کہ صمد بمعنی بے پرواہ ہے، پس جو شخص بہت پڑھے، محتاج نہ ہو اور موصوف بصفتِ صمد ہو جائے۔ حدیث قدسی ہے: "الإنسانُ سِرِّي وَأَنَا سِرُّهُ"[60] (انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں) ۔

مردان خدا خدا نباشند لیکن زخدا جدا نه باشند[61]

قوله تعالیٰ: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۵) ترجمہ: تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ تَعَالَى: أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

ترجمہ: میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، پس وہ میری طرف رجوع کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔

اور کتاب "باقر المرادات" میں لکھا ہے کہ جو کوئی اللّٰهُ الصَّمَدُ بطریقِ حرف حریر کاغذ پر لکھے اور پگڑی (عمامہ) میں باندھے، حضرت رسالت ﷺ کو خواب میں دیکھے۔ حضرت سید باقر بن سید عثمان نے کہا کہ جس نے اللّٰهُ الصَّمَدُ نماز عشاء کے بعد سو بار پڑھا، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے جمال کو خواب میں دیکھے گا۔

اور کتاب "جواہر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ اس اسمِ اعظم کی نو ہزار (۹۰۰۰) خاصیتیں ہیں، اور جو شکل اللّٰهُ الصَّمَدُ اپنے گھر میں رکھے، کچھ درد و اذیت نہ پہنچے۔ اور جو اللّٰهُ الصَّمَدُ کو دوکان میں رکھے، اسے دشمن نقصان نہ پہنچا سکے۔ وہ شکل یہ ہے۔

۲۴	۵۶	۳۵	۳۹
۴۵	۳۸	۳۴	۵۵
۴۷	۱۵	۵۸	۴۴
۵۷	۴۵	۳۶	۴۵

تیسرا باب

---

59) خواص میں ذکر کردہ تمام کُتب سید باقر بخاری کی ہیں۔ کُتب تو ہمیں دستیاب نہ ہو سکیں البتہ مُصنف کا تعارف درج ذیل ہے۔
سید باقر بن عثمان بخاری (المعروف مخدوم باقر بخاری) اوچ شریف کے سہروردی سلسلے کے ایک جید عالم، صوفی بزرگ اور مصنف تھے۔ ان کی شہرت کی بڑی وجہ ان کی تالیف کردہ کتاب جواہر الاولیاء ہے، جو جنوبی ایشیا کی صوفیانہ تاریخ، خاص طور پر سہروردی سادات کے احوال و آثار کے حوالے سے ایک بنیادی ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔ (ن اُویسی)

60) (مثنوي مولانا جلال الدين رومي، 2/ 428، المجلس الأعلى للثقافة، 1996م)

61) مردانِ خدا خدا تو نہیں ہوتے مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ (ن اُویسی)

کشفِ قلوب میں: جو شخص چاہے کہ دلی بھید (دل کے راز) معلوم ہو جائے، تو وہ ۱۲ روز تک بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مرتبہ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھے۔ تمام بھید آدمیوں کا معلوم ہو جائے گا۔ ماں، باپ، دادا کے نام معلوم کرنا چاہے تو یہی پڑھے، مگر اس اسمِ اعظم کو بصدقِ دل اور اخلاص پڑھے۔

چوتھا باب

کشفِ قبور کے بیان میں: کہ قبر مرد کی ہے یا عورت کی، ظالم کی یا فاسق کی، یا صالح کی یا مؤمن کی، یا کافر کی۔ جو کوئی معلوم کرنا چاہے احوالِ قبر کا، بجانبِ پاؤں قبر کی طرف جا کر اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھے۔ آواز قبر یا آواز مردہ سنے، اور وہ حال اپنا سب کہہ دے گا۔

پانچواں باب

سیر کرنے زمین و سمان میں، اور جو کچھ اس سے متعلق ہے، جو کچھ چاہے کہ سیرِ زمین و آسمان کرے۔ سوموار کی رات اور جمعہ کی رات کو چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) مرتبہ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھے۔ سیرِ زمین و آسمان حاصل ہو، اور ولایت کا مرتبہ پائے، اور مجلس حضرت رسالت پناہ ﷺ اور حضرت خضر علیہ السلام سے مشرف ہو۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

چھٹا باب

غیب سے خزانہ پانے میں: جو کوئی چاہے کہ کوئی خزانہ غیب سے معلوم ہو، چھ رات دن متواتر چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) مرتبہ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھے، خزانہ غیب معلوم ہو جائے گا۔ یا کوئی بزرگ خواب میں آ کر اطلاع دے گا کہ فلاں جگہ خزانہ خدا ہے۔ اگر کوئی اس شکل کو لکھ کر سفید مرغ کی گردن میں باندھے اور اس کو چھوڑے، جہاں مرغ مذکور آواز دے، وہاں خزانہ ہے۔ شکل یہ ہے:

۸۹	۴۹	۱۷
۹۶	۲۷	۹۵
۳۹	۹۹	۲۶
۳۹	۴۵	۴۸

دیگر: فراخی رزق کے لئے نماز صبح و عصر کے بعد چھ سو (۶۰۰) مرتبہ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھنا واسطے فراخی رزق و دولت کے مفید ہے۔ اور بعد نماز عشاء روز پڑھنا عذابِ قبر سے نجات دیتا ہے۔ زکوۃ اللہ الصمد ۱۲ ہزار سو مرتبہ اور قفل تین ہزار تین سو ساٹھ (۳۶۰۳) اور دور مدور تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ ہے۔

فَقَطْ، وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول۔ پور پاکستان